عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

جناب خورشید احمد صاحب فارق صدر شعبۂ عربی و فارسی دلی یونیورسٹی دہلی

(۶)

ابن خُردا ذبہ[۱] :

ہندوستان کے راجہ اور عام لوگ زنا کو مُباح خیال کرتے ہیں اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن راجہ کمبوڈیا (قمار) کی نظر میں زِنا اور شراب دونوں حرام ہیں، لنکا کا راجہ شراب پیتا ہے، اس کے لئے عراق سے شراب منگائی جاتی ہے۔

بُزرگ بن شہریار[۲] (م ۳۹۹ھ / ۱۰۰۹ء)

ہندو مذہب میں مردوں کے لئے شراب حرام ہے لیکن عورتیں پی سکتی ہیں، حُرمت کے باوجود بعض ہندو چھپا چوری شراب پی لیتے ہیں۔

مسعودی[۳] :

ہندو شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جو شخص شراب پیتا ہے اس کو ڈانٹتے پھٹکارتے ہیں،

۱۔ المسالک والممالک ص ۶۵-۶۶

۲۔ عجائب الہند ص ۱۵

۳۔ مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۱/ ۱۱۵-۱۱۶۔

شراب سے اجتناب کسی مذہبی ممانعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شراب کے نقصانات سے بچنے کے لئے ہے، شراب عقل کو ایسا معطّل کر دیتی ہے کہ وہ اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ اگر تحقیق سے ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کا راجہ شراب پیتا ہے تو وہ معزولی کا مستحق ہو جاتا ہے کیوں کہ جس حاکم کا دماغی توازن شراب کے نشہ سے خراب ہو جائے وہ حکومت کا ٹھیک ٹھیک انتظام نہیں کر سکتا۔ کبھی ہندو گانیوں کو شراب پلا کر ان میں سرخوشی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور اس کو دیکھ کر خود بھی مسرور ہوتے ہیں۔[1]

بے شرمی :

لوگوں کا خیال ہے کہ ہندو مذہب میں زنا جائز ہے لیکن یہ صحیح نہیں، البتہ ہندو زنا کی سزا کے معاملے میں زیادہ سختی نہیں برتتے اور اس کی ساری ذمہ داری ان کے راجاؤں پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ مندروں میں جو عورتیں رکھی جاتی ہیں ان کا مقصد گانا، ناچنا اور دل بہلانا ہوتا ہے، نہ تو برہمن اس کے علاوہ ان سے کچھ چاہتا ہے نہ پجاری لیکن راجاؤں نے ان کو شہروں کی آرائش اور عیش و نشاط کا ذریعہ بنا لیا ہے اور لوگوں کو ان سے حظّ نفس کی اجازت دے دی ہے ایسا کرنے میں ان کا مقصد خزانہ کی آمدنی بڑھانا ہے تاکہ وہ روپیہ جو فوج پر خرچ ہوتا ہے اس کی بازیافت مندروں کی دیو داسیوں کے جرمانوں اور ٹیکسوں سے ہو جائے۔ سلطان عضد الدولہ (متوفی ۳۷۲ھ / ۹۸۲ء) نے بھی اسی پالیسی پر عمل کیا تھا، اس نے شیراز میں چکلے کھول دیئے تھے اور رنڈیوں سے ٹیکس وصول کرتا تھا،[2] اس کے علاوہ سلطان کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ بن بیاہے فوجیوں کی دست درازیوں سے رعایا کی بہنیں اور مائیں محفوظ رہیں۔

---

[1] کتاب الہند ص ۲۷۹

[2] دیکھو احسن التقاسیم مقدسی طبع دی غوثے لائڈن ص ۴۴۹

ابن فضل اللہ عُمَری[1] (م ۷۴۹ھ/۱۳۴۹ء) :-

مجھ سے ابو محمد حسن بن عمر نے بیان کیا کہ ہندوستان کے ہر شہر میں کسبیاں پائی جاتی ہیں
ان کے مشہور و مخصوص گھرانے ہوتے ہیں، ان کے علاوہ باقی لوگ ضبطِ نفس اور عفت
سے قائم رہتے ہیں، اُس مرد کو سخت ترین سزا دی جاتی ہے جو غیر کسبی سے زنا کرے اور
عورت کو بھی سخت سزا ملتی ہے جو اُن کسبیوں میں سے نہ ہو جن کے نام سرکاری رجسٹروں
درج ہوتے ہیں، غیر کسبی عورت اگر کسبی بننا چاہے تو اس کے گھر والے اس سے سارے
نے رشتے توڑ لیتے ہیں اور اُسے قطع تعلق کی تحریر لکھ دیتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں
بھی اس کو سلام نہیں کرتے، وہ عورت کسبی ہو جاتی ہے لیکن اس کا رتبہ پیشہ ور کسبیوں سے
ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ہر شہر میں وہ بوڑھی کسبیاں گواہی دیتی ہیں جن کی مائیں اور نانیاں
ی تھیں، ان کی بات اور گواہی ہر معاملہ میں قبول کی جاتی ہے، جب کوئی مرد کسبی سے
پنے ساتھ رات گذارنے کا وعدہ لے لے اور اس کو ایڈوانس دے دے تو پھر اگر اس کسبی کو
ئی دوسرا آدمی اس رات کے لئے دُگنی چوگنی فیس بھی پیش کرے تو وہ اس کے ساتھ رات نہیں
ارتی اور پہلے کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرتی ہے۔

چوری

بُزرگ بن شہریار[2] :

ہندوؤں کی نظر میں چوری بڑا جرم ہے، اگر کوئی نیچی ذات کا یا قلاش و غریب ہندو چوری کرے
حاکم اس کو قتل کر دیتا ہے اور اگر وہ مال دار ہو تو راجہ اس کی ساری دولت ضبط کر لیتا ہے یا اس
بڑا جرمانہ لگا دیتا ہے، ایسے شخص سے بھی بھاری جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو جان بوجھ کر چوری کا

---

[1] مسالک الابصار قلمی، دار الکتب قاہرہ ۲/۱۱۔

[2] عجائب البر والبحر ص ۱۶۰-۱۶۱ و ص ۱۶۲

مال خرید لے۔ ہندوؤں کے ہاں چوری کی سزا قتل ہے۔

اگر کوئی مسلمان ہندوستان میں چوری کرتا ہے تو اس کا معاملہ ہُنرمن (ہنرمند) کے سپرد کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلامی قانون کے مطابق اس کو سزا دے، ہندوستان میں ہُنرمن کے وہی اختیارات و فرائض ہیں جو اسلامی ممالک میں قاضی کے ہوتے ہیں، ہُنرمن کے عہدہ پر صرف مسلمان ہی مقرر ہو سکتا ہے۔

عُمانی محمدؐ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے (جنوبی) ہندوستان کے شہر جرفتّن[1] (برس) میں ایک ہندو لڑکا دیکھا جو چوری یا کسی دوسرے جرم میں ماخوذ تھا راجہ نے اس کی کھال اُتارنے کا حکم صادر کیا۔ لڑکے کی کھال اتاری جارہی تھی لیکن وہ باتوں اور گانے میں مصروف تھا، اس کی زبان پر آہ تھی نہ فریاد۔ لیکن جب اس کی ناف کی کھال کٹی تو وہ زیادہ ضبط نہ کر سکا اور جان دے دی۔

مُطہر بن طاہر مقدسی[2] (م ۳۵۵ھ/۹۶۶ء کے بعد وفات پائی)

چور، رہزن اور ان لوگوں کی سزا جو ہندوؤں کے بال بچوں کو پکڑ کر غلام بنالیں اور پھر ان کے ہاتھ آجائیں یہ ہے کہ اُن کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے، بعض راجہ ان مجرموں کو پھانسی کی سزا دیتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لکڑی کا سرا نکیلا کر کے مجرم کے سرین سے اوپر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں لواطت کی سزا بھی قتل ہے۔

جو ہندو مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر وطن آجاتا ہے اس کو ہندو معاشرہ میں اس وقت تک داخل نہیں کرتے جب تک اس کو پاک صاف نہیں کر لیتے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کے سر اور جسم کے سارے بال مونڈ دیتے جاتے ہیں پھر گائے کا پیشاب، گوبر، گھی اور دودھ کئی دن تک اُس کو کھلایا پلایا جاتا ہے، اِس کے بعد اُس کو گائے کے پاس لایا جاتا ہے اور وہ

---

[1] قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر میسور کے مغرب میں ساحل مالابار پر واقع تھا۔

[2] البدء والتاریخ، پیرس ۱۹۱۹ء، ۴/۱۲-۱۱۔

...کو سجدہ کرتا ہے۔

بیرونی[۱] :

چوری کی سزا چرائی ہوئی چیز کی قیمت کے مطابق ہوتی ہے، کبھی سخت سزا ضروری ...تی ہے، کبھی اوسط درجہ کی، کبھی ڈانٹ ڈپٹ اور جرمانہ پر اکتفا لیا جاتا ہے اور کبھی چور کی ...(رسوائی اور) تشہیر کافی سمجھی جاتی ہے اگر چوری بڑی ہو تو حاکم برہمن کی آنکھیں نکلوا دیتا ہے یا اس ...ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ ڈالتا ہے، چھتری کا صرف ہاتھ پیر کاٹا جاتا ہے، ...یں اس کی آنکھیں نہیں نکلوائی جاتیں، دوسری ذات کے چور کو قتل کر دیتے ہیں، بدکاری کی ...(مرتکب) ایسی عورت کو شوہر کے گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔

...میں نے سنا تھا کہ جو ہندو غلام اسلامی قلمرو سے وطن بھاگ جاتے ہیں ان پر کفارہ ...(کے) لئے روزے عائد کئے جاتے ہیں، ان کو کئی دن تک گائے کے گوبر، پیشاب اور دودھ ...میں رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ ان چیزوں میں خمیر اٹھنے لگتا ہے، پھر ان کو اس مرکب سے نکالا ...جاتا ہے اور گوبر، پیشاب اور دودھ جیسی چیزیں اُن کو کھلائی جاتی ہیں، اس رپورٹ کی تحقیق ...کے لئے میں نے برہمنوں سے رجوع کیا تو انھوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ مفرور غلام ...کے لئے نہ تو کوئی کفارہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ اس کو سابق حالت میں واپس آنے کی مذہب ...اجازت دیتا ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، اس لئے کہ جب برہمن شودر کے گھر کئی دن کھانا ...کھالے تو اپنی ذات سے نیچے گر جاتا ہے اور پھر کبھی اس میں واپس نہیں آسکتا۔

ٹھگی

بزرگ بن شہریار[۲] :

محمد بن مسلم سیرافی نے جو بیس برس سے زیادہ کھانہ[۳] میں مقیم رہا تھا اور ہندوستان کے

۱ه کتاب الہند ص ۲۸ ۲ه عجائب البر والبحر ص ۱۵۲

۳ه بمبئی کے شمال کا ایک اہم تجارتی مرکز

بشیتر علاقوں کا سفر کرکے وہاں کے باشندوں اور معاملات سے اچھی طرح واقف ہوگیا تھا مجھ سے بیان کیا کہ بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی چول[1] (چیمور) اور تھانہ (تانہ) آئی اور ایک ہندو تاجر کو جس کا باپ خوب مال دار تھا پکڑ لیا، اس سانحہ سے باپ پر سنگین مصیبت آپڑی کیوں کہ اس کا صرف یہی ایک لڑکا تھا، ٹھگوں نے گھر میں گھس کر لڑکے کو حراست میں لے لیا تھا اور پچاس ہزار روپے (دس ہزار دینار) یا اس کے لگ بھگ طلب کر رہے تھے یہ رقم باپ کی دولت کے ایک حصہ کے بقدر تھی لڑکے نے باپ کو اس مصیبت کی خبر بھیجی اور درخواست کی کہ مطلوبہ رقم دے کر اس کو چھڑا لے۔ باپ ٹھگوں سے ملا اور منت سماجت کی کہ پانچ ہزار روپے (ہزار دینار) یا کم و بیش لے کر لڑکے کو چھوڑ دیں لیکن وہ تیار نہ ہوئے اور پچاس ہزار پر اڑے رہے۔ مجبور ہو کر تاجر علاقہ کے حاکم کے پاس گیا اور اس کو حالات سے مطلع کیا اور کہا کہ اگر ان ٹھگوں کی خبر نہ لی گئی تو کسی تاجر کا اُس کی عملداری میں رہنا مشکل ہے حاکم نے کہا: ٹھگوں کو دفع کرنے کی کیا صورت ہے؟ اگر ہم ان سے کچھ کہتے ہیں تو وہ تمھارے لڑکے کو قتل کر دیں گے۔ تاجر: تو پھر کیا کیا جائے؟ حاکم: میرے لئے ان ٹھگوں کو قتل کرنا آسان ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ تمھارے لڑکے کا خاتمہ کر دیں گے جس کے سوا تمھارے کوئی اور اولاد بھی نہیں ہے۔ تاجر: "مجھے اس کی پروا نہیں، ان کا مطالبہ بہت زیادہ ہے، میں مناسب نہیں سمجھتا کہ جس طرح بھی ہو لڑکے کی جان بچا کر خود کو قلاش کر ڈالوں، میری رائے ہے کہ گھر کے چاروں طرف لکڑیاں جمع کر کے اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا جائے اور آگ لگا ٹھگوں کو جلا دیا جائے۔ حاکم: اس طرح تو تمھارا لڑکا اور سارے گھر والے جل جائیں گے۔ تاجر: ان کا جل مرنا مجھے گوارا ہے لیکن اپنی دولت کا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ حاکم نے (اپنے سپاہیوں کے ساتھ) جا کر دروازہ گھیر لیا اور اس میں آگ لگوا دی۔ ٹھگ، تاجر کا لڑکا، گھر والے بلکہ اس کی ہر چیز جل کر راکھ ہو گئی۔

---

[1] ایک تجارتی بندرگاہ بمبئی کے تینتیس ۳۳ میل جنوب میں۔

ہندوستان[1] میں ٹھگ ہوتے ہیں، وہ ٹولیاں بنا کر شہر شہر پھرتے ہیں اور مال دار تاجروں پر وہ ملکی ہوں یا پردیسی ہاتھ صاف کرتے ہیں، تاجر کو اس کے گھر جا کر یا بازار یا راستہ میں خنجر دکھا کر پکڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: اتنا اتنا دلواؤ ورنہ قتل کر دیں گے، اگر بچانے کے لئے کوئی آدمی حکومت کا فوجی آتا ہے تو اس کو قتل کر دیتے ہیں، تاجر کے سامنے ان کو خود اپنے قتل ہونے کی بھی پرواہ نہیں ہوتی اور تاجر کو قتل کرنے کے بعد اگر ان کو اپنے ہاتھوں خود کو قتل کرنا پڑے تو وہ اس کے لئے بھی تیار رہتے ہیں۔ جب وہ کسی سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو جان کے خوف سے کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اُن سے بات کرے یا اُن کے آڑے آئے، تاجر یا مال دار آدمی ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور وہ جہاں چاہتے ہیں۔ اس کے بازار، گھر، دکان یا اس کے باغ میں بیٹھ جاتے ہیں اور مال دار آدمی مقررہ رقم اور سامان جمع کرتا ہے، اس اثنا میں وہ ننگے خنجر لئے کھاتے پیتے رہتے ہیں، تاجر یا مال دار آدمی جب مال و متاع جمع کر لیتا ہے تو اس کو اُٹھانے کے لئے قلی فراہم کرتا ہے اور ٹھگوں کی حراست میں ان کے ساتھ ساتھ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ محفوظ جگہ پہنچ جاتے ہیں، وہاں وہ تاجر کو چھوڑ دیتے ہیں اور مال و متاع پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

مقدمات و عدالت

بیرونی[2]:

جج مدعی سے ایسا تحریری دعویٰ طلب کرتا ہے جو دعوی کے رسمی خط و کتابت میں مدعیٰ علیہ کے خلاف لکھا جاتا ہے اور جس میں دعوی کے حق میں دلیلیں بھی مندرج ہوتی ہیں، اگر دعوی تحریری نہ ہو تو گواہی سے کام چل سکتا ہے لیکن گواہ کم از کم چار ہونا ضروری ہیں۔ البتہ اگر جج کی نظر میں ایک گواہ ہی ثقہ ہو تو اس کی گواہی کافی ہو سکتی ہے اور جج اس کی گواہی پر اعتماد کر کے

---

[1] عجائب البر والبحر ص۱۵۱

[2] کتاب الہند ص۲۷۹

مقدمہ کا فیصلہ دے سکتا ہے لیکن جج کے لئے ضروری ہے کہ خفیہ طور پر مقدمہ کی تحقیق کرے ظاہری علامتوں اور قیاس کی مدد سے مقدمہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

اگر مدعی گواہ فراہم نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے حلف لیا جائے اور اگر جج مدعی سے اس کے دعوی کی توثیق کے لئے حلف طلب کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، دعوی کی نوعیت کے اعتبار سے قسموں کی بہت سی مختلف شکلیں ہیں، اگر دعوی کم مالیت کا ہو اور مدعی، مدعا علیہ کا حلف قبول کرنے کو تیار بھی ہو جائے تو مدعا علیہ پانچ برہمن عالموں کے سامنے اقرار کرے کہ میں جھوٹا ہوں تو مدعی کو میرے اعمال کے ثواب سے اتنا حصہ مل جائے جو اس کے دعوی سے آدھا ہو، اس سے بڑا حلف یہ ہے کہ مدعا علیہ سے کہا جائے کہ تم برہمن نامی زہر لیں (بیش) پی لو یہ سب سے خراب قسم کا زہر ہوتا ہے، اگر مدعی سچا ہوگا تو زہر اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا، اس سے بھی بڑا حلف یہ ہے کہ مدعا علیہ کو ایک تیز و تند نیز گہرے دریا یا پانی سے بھرپور کنوئیں پر لایا جاتا ہے اور وہ پانی سے کہتا ہے کہ تم پاک ترین فرشتوں میں سے ہو، ہر ظاہر اور مخفی بات تم پر عیاں ہے، اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے مار ڈالو اور اگر سچا ہوں تو مجھے بچا لو، اس کے بعد پانچ آدمی اس کو پکڑ کر دریا یا کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں، اگر وہ سچا ہوتا ہے تو نہیں ڈوبتا۔

اس سے بڑا حلف یہ ہے کہ جج فریقین کو شہر یا مملکت کے سب سے ممتاز تنجانہ میں بھیجے اور مدعا علیہ بت کے حضور روزہ رکھے اور دوسرے دن نئے کپڑے پہنے اور اس کے سامنے مدعی کے ساتھ کھڑا ہو اور پجاری، مورتی پر چڑھایا ہوا پانی اس کو پلائے، اگر وہ جھوٹا ہوگا تو فوراً خون کی تے کرنے لگے گا۔

اس سے بڑا حلف یہ ہے کہ مدعا علیہ کو ترازو کے ایک پلڑے میں بٹھا کر اس کا وزن لیا جائے پھر اس کو اتار لیا جائے لیکن ترازو کے باٹ بدستور رہنے دئے جائیں، اس کے بعد مدعا علیہ اپنی صداقت پر رشیوں، فرشتوں اور مقدس ہستیوں کو ایک ایک کرکے گواہ بنائے اور اپنا پورا

بیان آپ کاغذ پر ثبت کر کے سر پر باندھے اور دوبارہ تک کے پلڑے میں جا بیٹھے، اگر سچا ہوگا
تو اس کا وزن پہلے سے بڑھ جائے گا۔

اس سے بڑے حلف کی صورت یہ ہے کہ گھی اور چمیلی[1] کا تیل ہم وزن لے کر ایک ہانڈی میں جوش دیا جاتا ہے اور ایک گلاب کا پھول اس میں ڈالا جاتا ہے اور جب وہ جل جاتا ہے تو اس کو تیل کے اچھی طرح پکنے کی علامت سمجھا جاتا ہے، پھر ہانڈی میں سونے کا ایک ٹکڑا ڈالا جاتا ہے، اس کے بعد مدعی علیہ کو ہاتھ ڈال کر اس ٹکڑے کو نکالنے کا حکم دیا جاتا ہے، اگر وہ سچا ہوتا ہے تو نکال لیتا ہے اور اس کا ہاتھ نہیں جلتا۔

سب سے بڑا حلف یہ ہے کہ لوہے کا ایک ٹکڑا اتنا گرم کیا جاتا ہے کہ پگھلنے کے قریب پہنچ جاتا ہے پھر اس کو چمٹے سے اٹھا کر مدعی علیہ کی ہتھیلی پر رکھا جاتا ہے، لوہے اور ہتھیلی کے درمیان بس ایک چوڑا پتہ ہوتا ہے جس کے نیچے دھان کے چند دانے بکھرے ہوتے ہیں، اس کے بعد مدعی علیہ سے کہا جاتا ہے کہ لوہے کو ہتھیلی پر رکھ کر سات قدم چلے اور پھر اس کو زمین پر پھینک دے اگر وہ سچا ہوتا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں جلتا۔

میراث[2]

ہندوؤں کے قانون میراث میں بیٹی کے علاوہ ہر عورت میراث سے محروم رہتی ہے، منو (مَنّ) نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ باپ کے ترکہ سے لڑکی لڑکے کے حصہ کا ایک چوتھائی ورثہ میں ملے گا، اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کی شادی کے وقت اسی حصہ سے اس کا جہیز تیار کیا جائے گا، اس کے بعد وہ کسی مالی اعانت کی مستحق نہیں رہتی۔

متوفی کی بیوی اگر ستی نہ ہوتی ہو اور زندگی کو موت پر ترجیح دے تو اس کا نان نفقہ واجبات

---

[1] متن میں دھن حل بالحاء المہملہ ہے جو جل بفتح الجیم المعجمۃ کی تصحیف ہے۔ جل فارسی میں چمیلی کو کہتے ہیں

[2] کتاب الہند ص ۲۸۱

متوفیٰ کے وارث کے ذمہ ہوگا، وارث متوفیٰ کا قرضہ بھی ادا کرے گا اور اگر متوفی نے کچھ نہیں چھوڑا ہے تب وہ اپنے پاس سے اس کا قرضہ ادا کرے گا۔ اسی طرح متوفیٰ کی لڑکی اور بیوی کے سارے اخراجات کا کفیل ہوگا اگر متوفیٰ بغیر کچھ چھوڑے مرا ہے۔

ہندو قانونِ میراث کا ایک اصول یہ ہے کہ میّت کے بالائی رشتہ داروں۔ باپ، چچا، دادا وغیرہ کی نسبت اس کے زیرین رشتہ دار۔ لڑکا، پوتا، نواسہ وغیرہ ترکہ کے زیادہ حق دار ہیں، پھر ایک ہی جانب کے رشتہ داروں میں خواہ وہ بالائی ہوں یا زیرین، وہ لوگ میراث کے زیادہ حق دار ہیں جو میّت سے قریب تر ہوں یعنی بیٹا بہ نسبت پوتے کے اور باپ بہ نسبت دادا کے زیادہ حق دار ہے۔ مُتوفیٰ کے وہ رشتہ دار جو رشتہ کے خطِ مستقیم سے ہٹ گئے ہوں جیسے بھائی، ان کا حق میراث میں کمزور ہے، ان کو صرف اس وقت حصّہ ملے گا جب قریب تر وارث موجود نہ ہوں۔

ایک صنف کے متعدد وارثوں میں جیسے متعدد لڑکے یا متعدد بھائی، ترکہ برابر تقسیم ہوگا، خُنثیٰ کا شمار مردوں میں ہوتا ہے۔

اگر میّت کا کوئی وارث نہ ہو تو ترکہ کی حق دار حکومتِ وقت ہوگی لیکن اگر وارث برہمن ہو تو اس کا ترکہ خیرات کر دیا جائے گا۔[1]

کریا کرم

پُرانے زمانہ میں مُردوں کو جنگلوں میں ننگا ڈال کر آسمان کے حوالہ کر دیا جاتا تھا، بیماروں کو بھی جنگلوں اور پہاڑوں میں نکال کر چھوڑ دیا جاتا تھا، اگر وہ اچھے ہو جاتے تو خود گھر لوٹ آتے تھے، اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا جب مذہبی اکابر نے نئے ضابطے مقرر کئے اور حکم دیا کہ مُردوں کو ہوا کے حوالہ کیا جائے، چنانچہ لوگ مُردوں کے لئے ہوا دار کمرے بنانے لگے جن کی

---

[1] کتاب الہند ص ۲۰۳-۲۰۴۔

یوار یں جالی دار ہوتی تھیں اور اُن میں سے ہو کر مُردوں کو ہوا لگتی رہتی تھی جیسا کہ آتش پرستوں ے مقبروں کا حال ہے۔

ایک عرصہ تک ہندو ہوادار مقبروں میں مُردے دفن کرتے رہے، پھر نارائن[1] نے گ میں جلانے کا ضابطہ بنایا اور اُس وقت سے مُردے جلائے جانے لگے، جلانے کے تھوڑی دیر بعد ہی مُردے کی بُو ختم ہو جاتی ہے، ہمارے زمانہ میں رُوس کے لوگ بھی اپنے مُردوں و نذرِ آتش کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں کے ہاں جلانے اور دفنانے دونوں ا رواج تھا .....

ہندو مذہب میں میت کا اُس کے وارثوں پر یہ حق ہے کہ اس کو غسل دیا جائے، عطر لگایا جائے، کفن پہنایا جائے، پھر صندل کی لکڑی یا عام ایندھن سے اس کی لاش جلا دی جاتی ہے، راکھ کا کچھ حصہ گنگا میں لے جا کر ڈال دیا جائے تاکہ دریا کا پانی اس کے اوپر سے ہو کر بہے جس طرح سگرا کی اولاد کی جلی ہڈیوں پر سے ہو کر بہا تھا جس کے زیرِ اثر ان کو جہنم سے نجات مل گئی تھی اور وہ جنت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے تھے میت کی باقی راکھ کسی ندی میں ڈال دی جاتی ہے اور اُس جگہ جہاں اس کو جلایا گیا تھا سنگِ میل سے مشابہ ایک قبر بنا دی جاتی ہے اور اس پر چونے کا پلاسٹر کر دیا جاتا ہے۔ تین سال سے کم عمر بچوں کا جلانا ضروری نہیں ہے ..... اگر (غربت کی وجہ سے) وارث مردے کو جلانے سے قاصر ہو تو اس کو جنگل یا بہتے ہوئے دریا میں ڈال سکتا ہے۔

موت کے بعد خیرات[2]

وفات کے پہلے سال میت کی طرف سے وارث پر سولہ کھانے یا ضیافتیں واجب ہوتی

[1] نارائن کا اطلاق بالعموم وشنو اور کبھی کرشن اور ارجن پر ہوتا ہے، یہاں غالباً وشنو مراد ہے۔

[2] کتاب الہند ص ۲۸۲

ہیں، ان ضیافتوں میں شرکت کرنے والوں کو خیرات بھی دی جاتی ہے، یہ ضیافتیں میت کی موت کے گیارہویں اور پندرھویں دن اور ہر ماہ ایک بار دی جاتی ہیں، چھٹے ماہ والی ضیافت شاندار اور بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے اس لئے اس کو دوسری ضیافتوں پر فضیلت حاصل ہے، ایک ضیافت میت کا سال ختم ہونے سے ایک دن پہلے دی جاتی ہے، یہ میت اور اس کے آباء و اجداد کے ایصالِ ثواب کے لئے ہوتی ہے، پھر برسی کا کھانا ہوتا ہے، اس کھانے کے بعد وارث ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے جو میت کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں

مذکورہ سولہ ضیافتوں کے علاوہ ضروری ہے کہ میت کا وارث گھر کے صدر دروازہ کے اوپر ایک کھلی کارنس پر موت کے دس دن بعد تک ایک تھال کھانا اور ایک آبخورہ پانی کا رکھے کیوں کہ ممکن ہے کہ میت کی روح کو ابھی تک کوئی ٹھکانہ نہ ملا ہو اور وہ پیاسی بھوکی گھر پر منڈلا رہی ہو۔ تقریباً اسی مضمون کی طرف سقراط نے کتاب فاذن میں اس روح کے بارے میں اشارہ کیا ہے جو قبروں پر اس وجہ سے منڈلاتی ہے کہ اس میں بدن کی کچھ محبت باقی رہ جاتی ہے۔

اگر وارث میت کا لڑکا ہو تو ضروری ہے کہ وہ سال بھر تک ماتم کرے، سوگ منائے اور عورتوں سے الگ رہے، پہلے سال کی ابتدا میں ایک دن وارثوں کو فاقہ کرنا چاہیئے۔

خودکشی

ابوزید سیرافی[1] :

جب کوئی شخص آگ میں جل کر خودکشی کرنا چاہتا ہے تو وہ راجہ کے پاس جا کر پہلے اجازت لیتا ہے اس کے بعد بازاروں کا گشت لگاتا ہے، بہت سا ایندھن جلا کر اس کے لئے چتا بنائی جاتی ہے اور کچھ لوگ اس میں ایندھن ڈالنے پر مامور رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ عقیق کی طرح لال

---

[1] سلسلۃ التواریخ ۲/۱۱۷ - ۱۱۸ و ۱۱۵

ہو جاتی ہے اور اس میں سے شعلے اُٹھنے لگتے ہیں، خودکشی کرنے والا بازاروں میں پھرتا ہے، اس کے آگے آگے جھانجھ بجانے والے ہوتے ہیں، اس کے عزیز و اقارب اس کو گھیرے ہوتے ہیں، کوئی اس کے سر پر پھولوں کا تاج رکھتا ہے اور اس کے بیچ میں دہکتے ہوئے انگارے بھر دیتا ہے اور ان پر سندور ڈالتا ہے جو آگ میں جا کر پیٹرول کی طرح بھڑک اٹھتا ہے، اس شان سے خودکشی کرنے والا چلتا پھرتا رہتا ہے، اس کا سر جلتا ہے اور سر کا گوشت جلنے کی چراند ہوا میں پھیلتی ہے لیکن اس کی چال میں کوئی فرق نہیں آتا، نہ اس کے چہرہ پر خوف اور غم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، چتا پر پہنچ کر وہ آگ میں کود پڑتا ہے اور جل بھن کر راکھ ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک دوسرا خودکشی کرنے والا جب چتا کے کنارہ کھڑا ہوا تو اس نے ایک کٹارے کر دل سے عانہ تک اپنا جسم کاٹ ڈالا، پھر اپنے اُلٹے ہاتھ سے جگر پکڑا اور اُس کا جتنا حصہ اس کی گرفت میں آ سکا باہر کھینچ لیا، اس اثنا میں وہ برابر باتیں کرتا رہا، پھر خنجر سے جگر کا کچھ حصہ کاٹا اور اپنے بھائی کو دے دیا۔ یہ سب موت سے اپنی بے خوفی نیز صبر و تحمل کو ظاہر کرنے کے لئے تھا، اس کے بعد وہ آگ میں کود پڑا۔

حکومت بلھرا[1] اور دوسرے ہندوستانی علاقوں کے بعض راجہ خود کو جلا ڈالتے ہیں اور اس کی وجہ تناسخ کا عقیدہ ہے جو ان کے دلوں میں خوب جڑ پکڑے ہوتے ہے۔

بزرگ بن شہریار[2]:

محمد بن بابشاد سیرافی ہی کا بیان ہے کہ ایک دن جب میں اغباب[3] کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے کنارہ گذر رہا تھا جن کا پانی جزر کے وقت بڑی تیزی سے سمندر میں خارج ہوتا ہے اور مد کے وقت سمندر کا پانی اسی شان سے ان میں داخل ہوتا ہے، اُس وقت دریا کی

[1] حکومت بلھرا سے مراد دکن اور مہاراشٹر ہے جہاں آٹھویں، نویں اور دسویں صدی میں راشٹراکوٹا خاندان کے سلاطین جن کو عرب بلھرا کہتے ہیں، حکمراں تھے۔

[2] عجائب الہند والبحر ص ۱۲۳-۱۴۲ و ۱۵۳

[3] لنکا کے بالمقابل جنوبی ہندوستان کا ساحل جہاں بہت سی چھوٹی بڑی کھاڑیاں ہیں جو دریاؤں اور قدرتی نالوں سے وجود میں آئی ہیں اور جن کے کنارے بہت سے پُرفضا مرغزار ہیں۔

گود میں پانی بہت کم تھا اور اس کے کنارہ کھلے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا
زانو دریا کے کنارہ بیٹھی ہے، میں نے اس سے پوچھا تم یہاں کیوں ہو تو اس نے کہا: میں
بہت بوڑھی ہوں، دنیا میں بہت جی لی اور دنیا کا بہت سا رزق کھا پی چکی، اب میں
نجات کے لئے بھگوان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے پوچھا: تو پھر تم یہاں کیوں
بیٹھی ہو؟ بولی: پانی کا انتظار کر رہی ہوں کہ آکر مجھے اٹھا لے جائے، تھوڑی دیر بعد پانی
لہریں آئیں اور اس کو بہا لے گئیں اور وہ ڈوب کر مر گئی۔

ایک شخص جس نے ہندوستان کا سفر کیا تھا مجھ سے بیان کیا: میں نے دیکھا کہ کیمبے[1]
میں ایک کے بعد ایک ہندو ڈوبنے کے لئے چلا جا رہا ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں پانی میں کودتے وقت
اس پر خوف و ہراس طاری نہ ہو جاتے یا اس کی رائے نہ بدل جائے وہ کسی کو اجرت دے کر
پر آمادہ کر لیتا ہے، ڈبونے والا اس کی گردن پکڑ کر پانی میں ڈبو دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے
ڈوبنے والا اگر چیختا ہے یا ڈبونے والے سے چھوڑنے کی التجا کرتا ہے تو وہ کوئی پروا نہیں کرتا اور
سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بالائی ہند میں بوڑھے مردوں اور عورتوں کو جلانے کی رسم ہنوز باقی ہے[2]

بیوہ[3] روی:

زندہ پر اپنے بدن کا حق یہ ہے کہ اس کو جلانے کی خواہش نہ کرے لیکن وہ بیوہ جو اپنے شوہر
کے پیچھے پیچھے دنیا سے جانا چاہتی ہو یا وہ شخص جو کسی لاعلاج مرض یا مزمن بیماری یا بڑھاپے
اور کمزوری کے سبب زندگی سے عاجز آ گیا ہو خودکشی کر سکتا ہے لیکن معزز لوگ ایسا نہیں کرتے
صرف ویش اور شودر مبارک اور واجب الاجرا اوقات میں موجودہ زندگی سے بہتر جنم کی خواہش

---

[1] یہ تجارتی شہر خلیج کیمبے کے شمال مشرقی سرے پر واقع تھا، یہاں کے جوتے خاص طور پر مشہور تھے اور عرب
ملکوں کو بھیجے جاتے تھے۔

[2] کتاب الہند صفحہ ۲۸۲

ود کُشی کر لیتے ہیں، برہمن اور چھتری کے لئے ایسا کرنا قانوناً منع ہے، خود کُشی کرنے والا چاند یا
ج گرہن کا وقت (جو مبارک اور واجب الاجرا اوقات میں سے ہے) اختیار کرتا
یا اُجرت دے کر ایسے شخص کی خدمت حاصل کر لیتا ہے جو اس کو پکڑ کر گنگا میں ڈبو
ا ہے۔ گنگا اور جمنا کے سنگم پر بڑ کی جنس کا ایک درخت ہے جس کو پریاگ کہتے ہیں اس کی
موصیت یہ ہے کہ اس میں دو قسم کی شاخیں نکلتی ہیں، ایک عام درختوں کی طرح اوپر
طرف اور دوسری بے پتّوں کی نیچے کی طرف جڑوں سے ملتی جُلتی، یہ شاخیں جب زمین میں
مل ہوتی ہیں تو ان سے درخت جس کا جھاڑ بڑے رقبہ میں پھیلا ہوتا ہے، سہارا لیتا ہے
ں درخت پر چڑھ کر خود کشی کرنے والے گنگا میں جست لگاتے ہیں۔

قزوینی[1] :

ابن الفقیہ کا بیان ہے کہ ایک ہندو نے ملتان کے مندر کی یاترا کی اس نے سر پر روئی کا
یک تاج رکھ لیا تھا جو تارکول میں لت پت تھا اور اس کی انگلیاں بھی، اس نے روئی
ے تاج میں آگ لگائی اور مورتی کے سامنے کھڑا ہو کر جل گیا۔

ابن فضل اللہ عمری[2] :

ہندوستان میں ایسے رسم و رواج ہیں جن پر ہندو عادۃً عمل کرتے ہیں، کچھ رسمیں عقائد
کی حیثیت رکھتی ہیں، کچھ ایسی ہیں جن کو سب نے تسلیم کر لیا ہے کچھ ایسی ہیں جن کو بعض فرقے مانتے
ہیں اور بعض نہیں مانتے اور کچھ ایسی ہیں جن کو بعض لوگ اچھا سمجھتے ہیں، یہ رسمیں اتنی زیادہ ہیں
کہ ان کو یہاں بالتفصیل بیان نہیں کیا جا سکتا، مثال کے طور پر چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں،
ایک رسم یہ ہے کہ لوگ اپنا جسم آگ میں جلاتے ہیں، یہ رسم سارے ہندوستان میں پائی جاتی
ہے، جب کوئی آگ میں جلنا چاہتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا ہے یا اس
وجہ سے کہ اس نے آگ میں جل کر خود کُشی کرنے کی کسی سے شرط لگائی ہے یا اس کو کسی بات پر

---

[1] آثار البلاد و اخبار العباد، طبع وستنفلڈ، گوٹنجن ۱۸۴۹ء صـ ۸۱ ۔ [2] مسالک الابصار قلمی ۲/ ۵۲-۵۷

غصہ آگیا ہے یا حاکم نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے یا کسی اور وجہ سے، تو جلنے سے تین دن پہلے وہ شہر کا گشت لگاتا ہے اس کے آگے ایک ڈھول بجتا جاتا ہے، اُس کے پاس ایک ڈنڈا ہوتا ہے اور ساتھ عزیزوں اور دوستوں کی ایک ٹولی، ان تین دنوں میں وہ تیل اور ایندھن جمع کرتا ہے، جب تیسرا دن آتا ہے تو جمع کی ہوئی لکڑی کے ڈھیر میں آگ لگائی جاتی ہے اور اس پر تیل چھڑکا جاتا ہے، جلنے والا لوہے کے ایک پرات میں بیٹھتا ہے اور خود کو آگ میں جلا ڈالتا ہے، اس کے عزیز و اقارب گرز لئے اس کے ارد گرد کھڑے ہوتے ہیں، اگر وہ آگ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو گرزوں سے اس کو اندر دھکیل دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ آگ میں بھسم ہو جاتا ہے، اس کے سارے عزیز و اقارب اور دوست احباب جو اس کے آس پاس جمع ہوتے ہیں اس سے ان لوگوں کا نام لے کر جو مر چکے ہیں یا پہلے آگ میں جل چکے ہیں، کہتے ہیں فلاں سے ہمارا سلام کہنا، فلاں کو یہ پیغام پہنچا دینا۔

ہندو تناسخ کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے چالیس دن بعد دنیا میں واپس آجاتا ہے لیکن اس کی روح کتے یا گدھے یا گائے یا ہاتھی یا کسی اور جانور کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔

ہندو اپنے راجاؤں کے بڑے فرماں بردار ہوتے ہیں، کبھی راجہ کسی شخص سے کہتا ہے جا اپنا سر مجھے بھیج دے تو وہ (بے چون و چرا) جاتا ہے اور کسی درخت کی ٹہنی یا بانس کا سرا کھینچتا ہے اور اپنے بالوں کی لٹ اس سے باندھ دیتا ہے پھر ایک نہایت تیز کٹار سے جو پانی کی طرح رواں ہوتی ہے، اپنا سر کاٹ ڈالتا ہے، اس کا سر درخت میں لٹک جاتا ہے اور جسم زمین پر آگرتا ہے۔

ہندوستان کے ہر راجہ کے دربار میں اس کے رتبہ اور حیثیت کے مطابق فدائیوں کی ایک جماعت ہوتی ہے، اگر راجہ مر جائے یا قتل کر دیا جائے یا اس کے ساتھ اور کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ فدائی خود کو قتل کر ڈالتے ہیں اور اگر راجہ بیمار ہو جائے تو خود بھی بیمار ہو جاتے ہیں بلکہ جو عارضہ

بھی اس کو لاحق ہو وہی اپنے اوپر لاحق کر لیتے ہیں۔

عبدالواحد بن حسن فسوی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے (جنوبی ہند کے شہر) جُرفتن (برس) میں ایک خوشرو اور خوش اندام مسلمان لڑکے کو جو ہندی نژاد تھا اور جس کے طور و طریق ہندوانہ تھے، دیکھا کہ وہ شہر میں گشت کر رہا ہے اور کچھ لوگ اس کے آگے پیچھے ڈھول، بگل اور ڈنڈے لئے چلے جا رہے ہیں، میں نے لڑکے سے پوچھا کیا بات ہے تو اس نے کہا (میں نے ایک ہندو سے خودکشی کرنے کی شرط بدی ہے (اس لئے) میں خودکشی کرنے جا رہا ہوں) میں نے بڑی محبت سے اس کو سمجھایا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز آئے لیکن وہ نہ مانا اور بولا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں شرط پوری نہ کروں! میں نے کہا: تم مسلمان ہو اور تمھارے اس فعل سے مسلمان بدنام ہوں گے، خدا سے ڈرو اور خود کو جہنم میں مت دھکیلو۔ میرا کہا کچھ کام نہ آیا، دوسرے دن راجہ اور اہالی شہر جُرفتن (برس) میں جمع ہوئے اور لڑکا اکڑتا پان چباتا آیا، اس کے جسم پر دو کپڑے تھے: ایک کرتا اور ایک دھوتی، اس نے وہاں کی مسجد کا چکر لگایا اور اس کو سجدہ کیا پھر دونوں کپڑے اپنے دو[1] ساتھیوں کو دے دئے اور لکڑی کی ایک کرسی پر چڑھا جو اس کے لئے بنائی گئی تھی...... اس نے اپنے سر کے بال بانس کے ایک سرے سے باندھ دئے اور دونوں پیروں کے انگوٹھے دو بانسوں کے سروں سے، اس کے بعد ایک شخص کلہاڑی لے کر آیا جس کا پھل لگ بھگ پانچ سیر کا تھا، اُسترے سے زیادہ تیز، اس نے لڑکے کی ایک پنڈلی پر کلہاڑی کی ایسی ضرب لگائی کہ اس کا پیر مع پنڈلی کے الگ ہو کر بانس میں لٹک گیا، دوسری ضرب سے اس نے دوسرا پیر مع پنڈلی کے کاٹ ڈالا، پھر اس نے آری سے پہلے ایک شانہ اور پھر دوسرا کاٹ کر الگ کر دیا، سر مع گردن، سینہ اور دھڑ بانس میں لٹک گیا، اب لڑکے کے گھر والے آئے اور انھوں نے اس کے اعضاء جمع کر کے اُن کو دفن کر دیا[2]۔

(باقی)

[1] متن کی عبارت یہاں مصحف ہونے کے باعث الجھی ہوئی ہے، اس لئے ترجمہ کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

[2] مسالک الابصار قلمی ۲/۴۰